# ایران کی ''معنوی جمہوریت'' ـــ تبدیلی کا آغاز!

جہانگیر اموزگار*

ترجمہ: راشد بخاری

ایران میں ۱۹۹۷ء کے صدارتی انتخابات میں حجۃ الاسلام سید محمد خاتمی کی غیر متوقع کامیابی کو عوامی سطح پر تبدیلی کی خواہش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسے انقلاب [۱۹۷۹ء] کے ''پژمردہ'' ہونے کی ایک واضح علامت کے طور پر بھی سمجھا گیا ہے۔ اس پژمردگی کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی چند سری حکومت نے عوام کی روزمرہ زندگی میں [مذہبی سدھار کی غرض سے] بے جا اور غیر ضروری انقلابی اقدامات کیے، شہری حقوق کو پامال کیا اور عوام پر ناقابل برداشت پابندیاں عائد کر دیں۔

اپنے موروثی پس منظر، تربیت، انقلاب میں شمولیت، خاندانی روابط اور سرکاری ملازمت کے باوصف محمد خاتمی مضبوط مذہبی طبقے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کوئی روایت شکن آدمی نہیں۔ درحقیقت ان کی صدارت کا مقصد ''اسلامی حکومت'' کا خاتمہ کرنا نہیں بلکہ اس کا تحفظ کرنا ہے۔ وہ دنیا کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسلام اور جمہوریت دونوں اکٹھے چل سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے انتخاب کا خیر مقدم اسلام کے ایک زیادہ مہربان اور زیادہ مہذب صورت میں نفاذ کے اچھے شگون کے طور پر کیا گیا۔ واضح اشارہ کیا جائے تو طاقتور اور مقتدر قدامت پسندوں کے خلاف ان کی شاندار کامیابی، ان کے اصلاحات کے نہایت پرکشش ایجنڈے کی مرہون منت ہے۔ قانون کی حکمرانی کو قائم کرنا، شہری معاشرے کی ترویج، باہر کی دنیا سے سفارتی تعلقات کو بہتر بنانا اور تباہ حال معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار اور بحال کرنا اصلاحات کے ایجنڈے کے اہم نکات ہیں۔

۱۹۹۸ء کے اوائل میں خاتمی نے پہلی بار میونسپل کونسل کے انتخابات کرائے جن میں ان کے

*Jahangir Amuzegar, "Iran's "Virtual Democracy" at a Turning Point," *SAIS Review*, Summer-Fall 2000, pp. 93-109.

حمایتیوں اور آزاد امیدواروں نے اکثریتی نشستیں جیت لیں۔ چنانچہ اصلاحات کی کامیابی کے لیے توقعات میں بھی مزید اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد فروری - مئی ۲۰۰۰ء میں منعقدہ ملک گیر پارلیمانی انتخابات میں بھی اصلاحات کے حامی امیدواروں نے ۱۹۷۹ء کے انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ سخت گیر قدامت پسندوں پر واضح کامیابی حاصل کی جس سے اصلاحی تحریک کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی۔

ان تین ملک گیر انتخابات کے بعد ایران پر اب ''معنوی جمہوریت'' کے ایک منفرد نظام کے تحت حکومت کی جا رہی ہے۔ طاقت کے اہم مراکز - فوج، سلامتی کے ادارے، عدلیہ اور پراپیگنڈا مشین (پریس) ــــ سب 'ولیٔ فقیہ' کے ہاتھ میں ہیں، جن کے بارے میں فرض کیا جاتا ہے کہ وہ زمین پر خدائی مرضی کے نفاذ کے ذمہ دار ہیں۔ جبکہ صدر اور پارلیمنٹ (مجلس)، جس کے پاس مقابلتاً محدود اختیارات ہیں، سے عوامی خواہشات کی ترجمانی کی توقع کی جاتی ہے۔ اس نئی جمہوریت کی بقا اور کامیابی کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ خاتمی کے تین سالہ دور اقتدار کی کارکردگی کا نئے سرے سے تجزیہ کیا جائے۔

## داخلی امن وامان

صدر خاتمی کی انتخابی مہم کا سب سے پہلا اور اہم وعدہ یہ تھا کہ وہ ملک میں جاری نیم جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ کر کے قانون کی حکمرانی کو قائم کریں گے۔ 'مکیاولی' اور 'لاک' کو سراہنے کے باوجود خاتمی کی اسلامی شہری معاشرہ قائم کرنے کی خواہش جیفرسنی* سیاسی نظریات کے مطابق کبھی نہیں رہی۔ وہ انفرادی اور شہری آزادیوں کے ضمن میں ۱۹۷۹ء کے آئین کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تاہم ان متعصبانہ بندشوں میں رہتے ہوئے ان کی کارکردگی ہم آہنگی سے خالی اور اپنی گنجائش کے اعتبار سے محدود رہی ہے۔

صدر خاتمی کی ''اعلیٰ ظرفی کی سیاست'' اور ''برداشت اور رواداری والے اسلام'' سے حوصلہ پا کر ایک طرح کا پرامن اور خود آگاہ جوابی انقلاب (counter revolution) بتدریج ظاہر ہوا اور احتیاط

*امریکہ کے تیسرے صدر جیفرسن (۱۷۴۳-۱۸۲۶ء) کے سیاسی نظریات جن میں مضبوط مرکز کے بجائے ریاستوں کے حقوق کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

کے ساتھ پھل پھول رہا ہے۔ اسلامی راسخ العقیدگی پر بنیاد پرستوں کی اجارہ داری کو چیلنج کرنا اور اس سے بھی بڑھ کر اعلیٰ ترین قائد (رہبر) کی قوم کے روحانی اور سیاسی قائد کی حیثیت سے کردار اور ذمہ داریوں سے متعلق سوال اٹھانا، اس جوابی انقلاب کا سب سے پہلا اور قابل ذکر مظہر تھا۔ مذہبی قیادت کی گرتی ہوئی مقبولیت کو محسوس کرتے ہوئے اور خود مذہبیت کے خلاف عوامی ردعمل کے خدشے کے پیش نظر سینکڑوں نوجوان علماء اور مذہبی مدارس کے طالب علموں نے مذہبی حکومت (theocratic rule) سے متعلق ایسے سوالات اٹھانا شروع کر دیے ہیں جن پر اب تک پابندی تھی۔ آیت اللہ حسین علی منتظری جو اسلامی جمہوریہ کے معماروں میں سے ایک ہیں اور بدیہی طور پر آیت اللہ خمینی کے مشن کے وارث ہیں، نے ایک وفادار مذہبی حزب اختلاف قائم کی ہے۔ منتظری نے ''رہبر'' کے غیر مذہبی معاملات سے متعلق اختیارات کو اس بنا پر ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے کہ اسلام تقسیم اختیارات کا قائل ہے اور خطا کے پتلے انسان کے ہاتھوں میں قوت کے ارتکاز کی اجازت نہیں دیتا۔

محسن کادوار، جو ایک معروف عالم دین اور مدرسے کے استاد ہیں، نے عوام کی روزمرہ زندگی میں مذہب کی مداخلت پر اعتراض کرنے کی ہمت کی ہے۔ وہ ریاست اور مذہب میں علیحدگی کی وکالت کرنے کی بناء پر آج کل جیل میں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''رہبر'' کے حکومت کرنے کے کسی بھی الوہی حق پر اعتراض کرنا، قانون، آئین اور اسلامی عقیدے کے عین مطابق ہے اور رہبر بھی [دیگر افراد اور عہدیداروں کی طرح] اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہیں۔ سابق نائب صدر اور عالم دین عبداللہ نوری جنہیں قبل ازیں خمینی کی حمایت بھی حاصل رہی ہے، بھی ''اسلام کی توہین'' کرنے کے جرم میں قید ہیں۔ ان پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے اخبار ''خرداد'' میں بعض ایسے مضامین شائع کیے ہیں جن میں نہ صرف اسلام کے نظریہ انصاف (جو ولایت فقیہ کا بنیادی نظریہ ہے یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ) پر اعتراض کیا گیا ہے بلکہ ان میں خمینی کے مذہبی فتوؤں کے ناقابل تنسیخ ہونے پر بھی سوال اٹھایا گیا ہے۔ عبدالکریم سروش کو، جو صف اول کے اسلامی مصلح ہیں اور خمینی کے جانثاروں میں شامل رہے ہیں، ان کے لیکچروں کے دوران مغرب مخالف بدمعاش عناصر کی طرف سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ سروش تو اس حد تک چلے گئے ہیں کہ ان کے خیال میں انسان اور فطرت کے بارے میں نئے تصورات کی روشنی میں خود قرآن نئی تشریحات کا

متقاضی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ سخت گیر مذہبی حکمرانی کا راستہ سیاسی محکومی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ تمام اصلاح پسند علماء، جن میں بیشتر آیت اللہ ہیں، عوام کی حکمرانی پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کی رائے میں ایران کا آئین اور خود آیت اللہ خمینی کے ابتدائی فرمودات واضح طور پر ''رہبر'' کے خود ساختہ 'مبرّا عن الخطاء' ہونے کے دعوے کی تردید کرتے ہیں۔

اس ''جوابی انقلاب'' کا دوسرا مظہر نیا، آزاد اور پُرآواز پرنٹ میڈیا ہے۔ آزاد مکالمہ کی وسیع حدود میں وزارتِ ثقافت نے فراخ دلی سے نئے روزناموں اور اخبارات و رسائل کے لیے مطلوبہ اجازت نامے جاری کیے ہیں۔ اس وزارت نے صحافیوں اور مبصروں کو حکومت پر تنقید کرنے کی نسبتاً زیادہ آزادی دی ہوئی ہے۔ کثرت سے ملنے والے ان اجازت ناموں کی وجہ سے اصلاح پسند اس قابل ہیں کہ ہر بار جب پریس کورٹ کسی اخبار کو بند کرے تو یہ کوئی نیا اخبار جاری کر دیں۔ گزشتہ پانچویں مجلس (پارلیمنٹ) تک اس عمل پر پابندی تھی۔

حریت کے ان نام نہاد علمبرداروں نے اکثر بڑی بے باکی سے سیاسی سرخ لکیروں (حد بندیوں) کو پار کیا ہے اور کئی نازک مسائل پر آواز بلند کی ہے۔ انہوں نے عوامی احتساب، عدلیہ کی غیر جانبداری، شفاف انصاف، بیوروکریسی کی اصلاح اور ارتباط اور شخصی آزادیوں کے لیے نہایت بلند آہنگی سے مطالبات کیے ہیں۔ وزارتِ داخلہ نے بھی اسی دوران پرامن مظاہروں اور نئی سیاسی جماعتوں کے قیام کے لیے مطلوبہ قانونی اجازت نامے زیادہ کثرت اور فراخ دلی سے جاری کیے ہیں۔

اس نئی آزادی یا کھلے پن کا تیسرا عکس سیاسی اور تہذیبی اقدار کے معاملے میں حکومتی برداشت کا وسیع ہوتا ہوا مظاہرہ ہے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے اسلامی لباس کی پابندی میں اب کبھی کبھار ہی سختی برتی جاتی ہے۔ خواتین کے لیے حجاب کی پابندی اتنی سخت نہیں رہی اور خواتین کا میک اپ (بناؤ سنگھار) بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ نوجوان خاتون کھلاڑیوں کے لیے کھیلوں کے میدان اور جمنازیم بھی کثرت سے کھل گئے ہیں۔ مغربی اور قبل از انقلاب کے نغمے، جن پر پابندی تھی، اب عوامی مظاہروں میں زیادہ آزادی کے ساتھ گائے جاتے ہیں۔ مغربی ویڈیو کیسٹیں اور کمپیکٹ ڈسک نجی طور پر رکھنے کی سرکاری اجازت دے دی گئی ہے۔ اخلاقی اقدار کی خلاف ورزیوں کی نگہبانی اب محدود ہو گئی ہے۔ ایسی نجی محفلوں پر اب کم ہی

چھاپے مارے جاتے ہیں جہاں ناچ اور جوا وغیرہ کا رواج تھا۔ یا پھر ایسی محفلوں کو معمولی رشوت کے ذریعے تحفظ دیا جا سکتا ہے۔ انٹرنیٹ کیفے لاتعداد متجسس نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ گھروں کی چھتوں پر غیر قانونی سیٹلائٹ ڈش زیادہ آسانی سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایرانی فلمسازوں کو نظریاتی طور پر نازک موضوعات پر فلمیں بنانے کی نسبتاً زیادہ آزادی حاصل ہے۔ فلم ڈائریکٹر بین الاقوامی فلم میلوں میں دل پسند انعامات جیت کر سرکاری سنسر شپ کو پس منظر میں دھکیل چکے ہیں۔

اس جوابی انقلاب کا چوتھا مظہر مملکت میں تبدیلی کے ایک آلے کے طور پر عوامی رائے کی بڑھتی ہوئی اہمیت ہے۔ ایران کی جدید تاریخ میں پہلی مرتبہ عوام کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ قومی انتخابات میں اپنی خواہشات کا اظہار کر سکیں اور اسلامی جمہوریہ کے مقاصد اور سمت کی وضاحت کر سکیں۔ انتخابات میں اپنی آزادانہ اور متحرک شرکت کے ساتھ ساتھ عوام نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے اور بھی وسیلے اختیار کیے ہیں، مثلاً جمعہ کے اجتماعات میں لوگوں کی تعداد کم ہوگئی ہے جبکہ مملکت کے نقادوں کے لیکچروں میں ہال لوگوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ اخبارات میں قارئین کی مشکلات اور پریشانیوں کے لیے طویل کالم مختص ہیں۔ مزدوروں کی (غیر قانونی) ہڑتالیں بڑھ گئی ہیں اور سیاسی اصلاحات کے لیے پرامن مظاہرے زیادہ مقبول ہو گئے ہیں۔

آزادروی کی ان واضح علامات کے باوجود مغربی معیار کو سامنے رکھا جائے تو ایران سیاسی طور پر ابھی تک ایک کچلا ہوا ملک ہے۔ شگوفوں کی طرح سامنے آنے والی نئی مطبوعات اور اصلاح پسندوں کی آہنگی کے پہلو بہ پہلو صدر خاتمی کی پہنچ سے باہر قدامت پسندوں کی طرف سے پریس کا منہ بند کرنے کی وسیع اور مربوط کوششیں بھی جاری ہیں تاکہ مذہبی اختیار کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے۔ صدر خاتمی کی آزاد خیالی کی ترویج کی کوششوں کو سب سے بڑا دھچکہ اس وقت لگا جب اواخر اپریل ۲۰۰۰ء میں صرف دو ہفتوں کے دوران قدامت پسند عدلیہ نے اصلاح پسندوں کی بیس میں سے اٹھارہ مطبوعات پر انقلاب مخالف تحریروں کے الزامات کے تحت پابندی لگا دی۔ پریس کورٹ، خصوصی مذہبی عدالتوں اور (ابھی تک متحرک) انقلابی عدالتوں نے آزادروی، انسان پسندی کے رجحانات رکھنے، انقلابی خیالات کی مخالفت کرنے یا ''دشمن'' سے رابطہ جیسے بودے الزامات کے تحت مصنفین، مدیروں، کارٹونسٹوں اور پبلشروں کو قید و بند کی سزائیں

دیں۔ سیاسی طور پر متحرک مصنفین اور مترجمین کو قتل کر دیا گیا۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ انہیں وزارت اطلاعات و سلامتی میں موجود بدمعاش عناصر نے قتل کیا۔ جون ۱۹۹۹ء میں طلبہ ہوسٹلوں پر پولیس کے بھگوڑے دستوں نے حملے کیے، قانون کی خلاف ورزیاں صرف ''حزب اللہ'' اور ''بسیج'' جیسی تنظیموں کی طرف سے ہی نہیں ہوئیں بلکہ سرکاری دفاتر اور اداروں میں بھی عام ہیں۔ وزیر داخلہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ سپریم لیڈر کی طرف سے تفویض کردہ اپنی کمانڈر انچیف کی حیثیت کے باوجود پولیس کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ جائیداد پر کسی باقاعدہ قانونی عمل کے بغیر صرف اس بنیاد پر قبضہ کر لیا جاتا ہے کہ مالک اس پر قابض نہیں ہے یا وہ جگہ خالی پڑی ہے۔ ناپسندیدہ افراد کو ملک چھوڑنے کی اجازت دینے سے صاف صاف جواب دے دیا جاتا ہے۔ حکومتی ایجنسیاں ایک دوسرے کے فیصلے کو نظر انداز کرتی ہیں یا عدالتی احکامات پر عمل درآمد سے انکار کر دیتی ہیں۔ مافیا طرز کے بیوروکریٹک اور مالی جاگیردار اپنے غیر قانونی کاروبار کسی سزا کے خوف کے بغیر کرتے ہیں۔

بہت سی ملکی اور غیر ملکی رپورٹیں انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں کی نشان دہی کرتی ہیں جو یا تو صدر کے علم کے بغیر کی جاتی ہیں یا ان کے اختیار کی کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مسلسل تین سالوں سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی ایران کو تنبیہہ کر رہی ہے کہ اس کے انصاف کے نظام میں سخت گیر، ظالمانہ اور غیر انسانی سزاؤں پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ ایران ابھی تک امریکی دفتر خارجہ کی تیار کردہ ان ممالک کی فہرست میں شامل ہے جن پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا الزام ہے۔ اسی طرح ایرانی حکومت بھی بین الاقوامی دہشت گردی کی حمایت اور پشت پناہی کرنے والی حکومتوں کی فہرست میں شامل ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل، مڈل ایسٹ واچ اور دیگر انسانی حقوق کی پرائیویٹ تنظیمیں یہاں پر تشدد، اعضاء بریدگی، سنگ زنی، عدالتی ٹرائل کے بغیر قید و بند اور مخالفین پر وحشیانہ مظالم کو رپورٹ کرتی رہتی ہیں۔

دیگر میدانوں میں بھی جہاں جناب خاتمی سے زیادہ بہتر کارکردگی کی توقع تھی، صورتِ حال اتنی اچھی نہیں ہے۔ ''بسیج، ملیشیاء'' جسے لگام دینے کی ضرورت تھی تعداد اور سرگرمی کے اعتبار سے زیادہ طاقتور ہوئی ہے۔ ساتویں صدی کا عدالتی نظام، صرف سربراہی کے استثناء کے ساتھ، ابھی تک بیشتر اسی طرح ہے جس میں تبدیلی نہیں کی گئی۔ ''بنیادز'' کے رفاعی ادارے قانون کے مطابق اپنی کارکردگی کی مکمل رپورٹ

دیے بغیر محدود خزانے سے اسی طرح وسائل اور رعایتیں حاصل کر رہے ہیں۔مختصراً یہ کہ محدود آئینی ضمانتوں کے اندر بھی قانون کی حکمرانی مکمل طور پر قائم نہیں ہو سکی ہے۔شہری معاشرہ ابھی تک کمزور ہے۔

## دوستوں میں اضافہ اور دشمنوں میں کمی

صدر خاتمی کا دوسرا انتخابی وعدہ یہ تھا کہ وہ بین الاقوامی برادری میں ایران کی سیاسی حیثیت کو مستحکم کریں گے۔خاتمی کے پیش رو ایران کے داغدار امیج کو بہتر بنانے کی کوششوں کا آغاز کر چکے تھے۔خاتمی نے ''بین الاقوامی کشیدگی میں کمی'' کا مطالبہ کر کے اس آغاز میں مزید توانائی بھر دی اور باہر کی دنیا سے بہتر تعلقات کی وکالت کی۔دنیا کے بارے میں پرکشش نقطہ نظر اپناتے ہوئے انہوں نے خود کو بڑی دانش مندی سے ایران کے نظریاتی افق کے دونوں کناروں ـــــ اسلامی شدت پسندوں اور امریکہ کے سخت مخالفین ـــــ سے خود کو ذرا فاصلے پر رکھا۔وسیع تناظر میں خاتمی اقوام متحدہ کے ذریعے ایک خصوصی قرارداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی رو سے ۲۰۰۱ء کو ''تہذیبوں کے درمیان مکالمے کا سال'' قرار دیا گیا۔اس طرح انہوں نے مستقبل میں تہذیبوں کے تصادم کے ابھرتے ہوئے پریشان کن نظریہ کو موثر انداز میں پس منظر میں دھکیل دیا۔

ان کی خارجہ پالیسی دوطرفہ ہے جس میں ''وقار،تعقل اور قومی مفادات'' کے پرچم تلے کثیر الجہت حکمت عملی اپنائی گئی۔ہمسایوں کے ساتھ دوطرفہ روابط کے ذریعے علاقائی کھچاؤ کو کم کرنا،امریکہ اور یورپی یونین کے درمیان ایران کے ساتھ ان کے رویے کے حوالے سے فاصلہ پیدا کرنا،واشنگٹن کے ساتھ طاقت کے توازن کو بہتر بنانے کے لیے ماسکو اور بیجنگ کے ساتھ تعلقات میں بہتری پیدا کرنا،امریکی خارجہ پالیسی کے ناقد ملکوں مثلاً شمالی کوریا اور کیوبا کے ساتھ دوستی بڑھانا،فلسطین کی حمایت میں اضافہ اور لبنان کی شیعہ اقلیت کی مدد کرنا،ایران کی خارجہ پالیسی کے اہم نکات ہیں۔

دوستوں کے ساتھ مضبوط روابط اور دشمنوں سے کشیدگی میں کمی کی اس پالیسی کو نہایت احتیاط اور نسبتاً کامیابی کے ساتھ روبہ عمل لایا گیا ہے۔علاقائی سطح پر ایران سعودی عرب کی دوستی اور تعاون حاصل کر چکا ہے اور اس طرح خلیج فارس کے دیگر ممالک کو ایران کے پرامن ارادوں سے متعلق یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ترکی اور پاکستان کے ساتھ تعلقات کو بسا اوقات کھنچاؤ کے باوجود پہلی سطح پر برقرار رکھا گیا ہے۔

اسرائیل، ترکی اور آذربائیجان کے اتحاد کے مقابلے میں آرمینیا اور یونان سے دوستانہ تعلقات بڑھائے گئے ہیں۔ ایران قفقاز اور وسطی ایشیا کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ ان کے تیل اور گیس کی خریداری اور ان کی تجارتی گزرگاہوں میں وسعت کی پیشکش کے ذریعے ان ممالک کے ساتھ دوستی کا بے حد خواہش مند ہے۔ عراق کے ساتھ غیریقینی امن کو تجارتی اور سیاحتی روابط کے ذریعے برقرار رکھا گیا ہے۔ افغانستان کے طالبان کے ساتھ بھی ایران نے ایک سردمہر لیکن درست پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ اب ایک واحد دشمن اسرائیل رہ گیا ہے جس کے وجود کو ایک قانونی حکومت کے طور پر ایرانی مملکت مسترد کرتی آ رہی ہے۔

اہم یورپی ممالک کے ساتھ تعلقات بھی ایک مختصر وقفے کے بعد تنقیدی کے بجائے تعمیری رخ اختیار کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی یونین کے اعلیٰ عہدیداران کی تہران آمد کی راہ ہموار ہوئی۔ صدر خاتمی اٹلی اور فرانس کے دو نسبتاً کامیاب دورے کر چکے ہیں۔ انقلاب کے بعد پہلی بار اتنی اعلیٰ سطح پر یہ دورے کیے گئے۔ اسی طرح ۱۹۷۹ء کے بعد پہلی بار اٹلی اور یونان کے وزراءاعظم اور آسٹریا کے صدر نے تہران کا دورہ کیا ہے۔ برسوں کی دوطرفہ کشیدگی کے بعد ایرانی وزیرخارجہ نے لندن میں اپنے برطانوی ہم منصب کے ساتھ ملاقات کی ہے۔ نمایاں یورپی ممالک نے ایران کو تنہا کرنے کے لیے امریکی دباؤ کو نظرانداز کر دیا ہے اور یورپی تیل کمپنیوں نے اسلامی حکومت کے ساتھ توانائی کے نفع بخش منصوبوں پر واشنگٹن کی جوابی انتقامی دھمکیوں کو مسترد کر کے دستخط کیے ہیں۔ عالمی بنک نے مئی ۲۰۰۰ء میں امریکہ کی واضح مخالفت اور لابنگ کی کوششوں کے باوجود بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کے لیے قرضے کی ایرانی درخواست کو منظور کر لیا ہے۔

اگرچہ بعض معاملات پر تہران اور ماسکو کے ایجنڈے مختلف ہیں مثلاً آذربائیجان اور آرمینیا کا تنازعہ، توانائی کی پائپ لائنوں کا مسئلہ، اور بحیرۂ کیسپئن کی قانونی حیثیت، تاہم علاقائی سلامتی کے لیے تکنیکی اور معاشی تعاون کے حوالے سے دونوں ممالک میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ دوستی اور ہم آہنگی افسوس ناک طور پر امریکی پابندیوں کی پیداوار ہے۔ ایرانی علاقے اور حاکمیت پر روس کی بدنیتی اور بدنظری صدیوں سے موجود ہے لیکن واشنگٹن کے مقابلے کے لیے تہران نے سائبیریا کے اس ریچھ کو نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کر لیا ہے۔ خاتمی کی حکومت نے خمینی کی اختیار کردہ ''نہ مغرب نہ مشرق'' کی پالیسی کو

بدل کر بہت سے بین الاقوامی تنازعات میں روس کا واضح ساتھ دیا ہے جن میں چیچنیا پر روس کی جہانہ جارحیت بھی شامل ہے۔ اب روس نہ صرف ایران کو اسلحہ فراہم کرنے والا اہم ترین ملک ہے بلکہ اس کے ایمی پروگرام کا شریک کار بھی ہے۔ ماسکو کے ساتھ قریبی تعلقات کے ساتھ ساتھ ایران نے چین کے ساتھ بھی معاشی اور ترقیاتی میدانوں میں اپنے تعلقات کو وسعت دی ہے، جبکہ دونوں ملکوں کے درمیان ایمی تعاون ختم ہو چکا ہے۔ چینی کمپنیاں ایران میں کئی منصوبوں پر کام کر رہی ہیں۔ سفارتی تعلقات بھی معمول کے مطابق ہیں اور دونوں ممالک نے اقوام متحدہ میں کئی مسائل پر یکساں موقف اختیار کیا ہے۔

عالمی سطح پر خارجہ پالیسی کی ان کامیابیوں کے علی الرغم ۱۹۷۹ء میں امریکی یرغمالیوں کے بحران کے بعد سے ابھی تک ایران واشنگٹن تعلقات میں کوئی خاص بہتری پیدا نہیں ہوئی ہے اور ابھی تک متضاد اور مبہم اشاروں اور ایک دوسرے پر نا قابل قبول الزامات کی وجہ سے معمول کے سفارتی تعلقات بحال نہیں ہوئے ہیں۔ ۱۹۹۸ء کے اوائل میں صدر خاتمی نے سی این این کو انٹرویو دیتے ہوئے جرأت مندانہ قدم اٹھایا اور ''عظیم امریکی عوام سے مکالمے'' کی ضرورت پر زور دیا۔ امریکی صدر کلنٹن نے جواباً اس کا خیر مقدم کیا۔ کلنٹن انتظامیہ نے کئی اقدامات کے ذریعے اہم اور خوش کن اشارے دیے۔ مثلاً ایران کے توانائی کے شعبے میں یورپی سرمایہ کاری پر پابندیاں اٹھائی گئیں۔ خوراک، دواؤں اور جہازوں کے پرزوں کی امریکی برآمد کی اجازت دے دی گئی۔ حکومت کی مخالف مجاہدین خلق اور اس سے متعلقہ دیگر گروہوں کو دہشت گرد قرار دینے کا ایرانی مطالبہ تسلیم کر لیا گیا۔ ایران کی قالین اور خوراک کی برآمدات پر عائد پابندی اٹھائی گئی ہے، حتیٰ کہ تہران کے اس دعوے کو بھی کسی حد تک تسلیم کر لیا گیا کہ ماضی میں امریکہ نے ایران سے زیادتیاں روا رکھی ہیں۔ صدر کلنٹن نے ایران کے ساتھ ''تعمیری اشتراک'' کی خواہش کا بھی اظہار کیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ ایران بین الاقوامی دہشت گردی کی حوصلہ افزائی کرنے والے ممالک کی امریکی وزارت خارجہ کی فہرست میں بھی شامل ہے۔ وائٹ ہاؤس ابھی تک ایران میں توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کا مخالف ہے اور ایران کے ذریعے کیسپئن کے تیل کی برآمد یا ایرانی تیل کے ساتھ تبادلے کی اجازت دینے سے انکار کر چکا ہے۔

دونوں ممالک کے درمیان تعلقات داخلی سیاسی دباؤ کے زیر اثر ابھی تک تعطّل کا شکار ہیں۔تہران میں واشنگٹن کے ساتھ مخالفت کا واضح اظہار انقلاب (۱۹۷۹ء) کے جوہر کے طور پر ابھی تک موجود ہے اور ایرانی حکومت کے جواز کا ایک لازمی عنصر ہے۔کئی اہم اور اعلیٰ عہدے دار علماء بار بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ "مرگ برامریکہ" کے بغیر ۱۹۷۹ء کے انقلاب کا کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔مزید براں بیس برس کی باہمی رقابت اور کھلی مخاصمت بہر حال اپنا وزن رکھتی ہے۔اس طویل مخاصمت نے ایک دوسرے کے بارے میں گہری بداعتمادی کو جنم دیا ہے۔ہر حکومت یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے تمام مطالبات تسلیم نہیں کیے جا سکتے اپنی اسی پوزیشن پر اصرار جاری رکھتی ہے کہ کہیں ان کے ملکی مخالفین ان پر ملکی مفادات کی سودے بازی کا الزام نہ لگا دیں۔

مجموعی طور پر خاتمی کی سفارتی کوششیں وقتی تعطّل اور جزوی ناکامی کے باوجود قابلِ ذکر حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں۔اگر اقوام متحدہ میں ایران میں حقوقِ انسانی کے ریکارڈ پر تنقید کرنے والی قراردادوں میں ووٹنگ کے تناسب پر نظر ڈالی جائے تو ایران کی سفارتی تنہائی میں کافی کمی نظر آتی ہے۔ اقوام متحدہ اور اس کی ذیلی تنظیموں میں بھی ایران کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ اقوام متحدہ کی کئی ذیلی کمیٹیوں کے سربراہ ایرانی نمائندے ہیں۔ایران کی اسلامی حکومت نے منشیات کے خلاف جنگ، آبادی پر کنٹرول اور بیس لاکھ کے قریب افغانی اور عراقی مہاجرین کی دیکھ بھال کر کے عالمی برادری سے داد وصول کی ہے۔تمام علامتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ماسوا امریکہ اور اسرائیل کے دیگر تمام ممالک سے تہران کے گرم جوش سفارتی تعلقات قائم ہیں۔

## اقتصادی بحالی کا سوال

جناب خاتمی کی انتخابی مہم کے ایجنڈے کا تیسرا نکتہ ایران کی جامد اور زوال پذیر معیشت کی بحالی تھا۔ابتداء میں صدر خاتمی نے ایرانی معیشت کو اس کے تمام بنیادی پہلوؤں سمیت بیمار قرار دیا۔ایران دو سال تک انقلاب کے تباہ کن اتار چڑھاؤ کا شکار رہا۔عراق کے ساتھ آٹھ سال تک خونی اور طویل جنگ کی وجہ سے اور مزید آٹھ سال تعمیر نو کے سلسلے میں بے دلی کے ساتھ کی گئی کوششیں غیر موثر رہیں۔ان واقعات کے نتیجے میں جو معیشت پیدا ہوئی وہ مکمل ریاستی کنٹرول میں، غیر مستعد اور بدعنوانی سے تباہ حال تھی اور

خطرناک طور پر جس کا انحصار برامدی تیل کی فوراُاڑ جانے والی آمدن پر تھا۔ رفسنجانی کے دور میں منڈی کی اصلاحات کے سلسلے میں چند ناپختہ اقدامات کیے گئے لیکن جب ان کی سماجی ومعاشی (socioeconomic) قیمت ان کے سیاسی استحکام کے لیے خطرہ بننے لگی تو ان اصلاحات کو ادھورا چھوڑ دیا گیا۔

معیشت کے کئی اہم میدانوں میں اصلاحات کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ محنت اور سرمائے کی پیداواریت میں اضافے کے لیے ضروری تھا کہ معیشت پر سے ناقابلِ برداشت ریاستی کنٹرول کو کم کیا جائے۔ تجارتی میدانوں کو ہموار کرنے کے لیے نجی تجارتی اور رفاعی اداروں کی اجارہ اری کو بھی کم کرنے کی ضرورت تھی۔ سماجی انصاف کی فراہمی کو موثر بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اشیاء کی ضرورت سے زیادہ سرکاری رعایتی قیمتوں (subsidies) میں کمی کی جاتی۔ خزانے میں تیل کے علاوہ محاصل کا اضافہ کرنے کے لیے ٹیکسوں کے ڈھانچے کو بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔ مالیاتی پالیسی کو موثر بنانے کے لیے اسلامی بنکاری نظام کو دوبارہ استوار کیا جانا چاہیے تھا۔ تجارت کو آزاد کرنا، قرضوں کے حصول کے بجائے نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی، اور ملک کو عالمی تجارتی تنظیم (WTO) میں شمولیت کے لیے تیار کرنا، یہ سب اقدامات ملک کی اقتصادی بحالی کے لیے ناگزیر تھے۔

گزشتہ برسوں میں طاقتور پریشر گروپوں اور مالی مفاداتی گروہوں نے مختلف وجوہات کے تحت تقریباً ان تمام اصلاحات کی مخالفت کی۔ مجلس اور عوام کے دباؤ کے تحت خاتمی نے ''جلد'' ہی معاشی بحالی کا واضح منصوبہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ تاہم اپنی صدارت کے پہلے برس ان کی واحد معاشی تجویز ۹۹-۱۹۹۸ء کا ایرانی مالی سال کا بجٹ تھا۔ تیل کی تیزی سے گرتی ہوئی قیمتوں کے سبب (خام تیل گزشتہ سالوں کے مقابلے میں ۵۰ء۱۷ ڈالر فی بیرل سے کم ہو کر ۱۰ ڈالر فی بیرل تک پہنچ گیا تھا) بجٹ خسارے میں چلا گیا اور حکومت کو کئی فوری ہنگامی اقدامات کرنے پڑے۔ ڈالر کے مقابلے میں ریال کی قیمت تبادلہ جو فی ڈالر ۶۳۰۰ ریال ہو گئی تھی، ۱۹۹۷ء کے وسط میں مستحکم ہو کر ۴۵۰۰ ریال فی ڈالر ہو گئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ بجٹ خسارے کے لیے مرکزی بنک کی فنانسنگ تھی۔

بالآخر اگست ۱۹۹۸ء میں صدر کے معاشی بحالی کے منصوبے (Economic Rehabilitation Plan ERP) کا اعلان کر دیا گیا۔ اس منصوبے میں تین مسائل: بے روزگاری، اشیائے ضروریہ اور

خدمات کی کمی، اور تیل کے محاصل پر ضرورت سے زیادہ انحصار، کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ لیکن ان کے حل کے لیے جو اقدامات تجویز کیے گئے وہ ناقابل عمل، ناکافی اور ناقص تھے۔ یہ تجاویز مالی، تجارتی اور رفاعی پالیسی سے متعلق ضروری اصلاحات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ارادے اور طریقہ کار دونوں حوالوں سے کمزور تھیں۔

۱۹۹۸ء میں بھی تیل کی قیمتیں غیر مستحکم رہیں۔ اسی دوران دسمبر ۱۹۹۸ء میں ۲۰۰۰ء-۱۹۹۹ء کے لیے حکومت نے اپنا دوسرا بجٹ پیش کیا۔ حکومت جو بیرونی قرضے پر سود کی ادائیگی سے بھی قاصر تھی کو جرمنی، اٹلی اور جاپان جیسے تجارتی معاونین کی مدد سے نئے انتظامات کرنے پڑے۔ ایک ہی دہائی میں یہ دوسری ناکامی تھی اور ایران کے ۷۰ سالہ بے عیب ریکارڈ پر ایک نیا دھبہ۔

معاشی بحالی کے اس منصوبے (ERP) کی ناکامی سے دوسرا پنج سالہ ترقیاتی منصوبہ (۲۰۰۰ء-۱۹۹۵ء) بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اور خاتمی کی حکومت نے ایک نئے وسط مدتی منصوبے (۰۵-۲۰۰۰ء) کی تیاری پر توجہ مرکوز کی۔

تیسرا ترقیاتی بل ۱۹۹۹ء میں ستمبر کے وسط میں پانچویں مجلس کے سامنے پیش کیا گیا، اس بل میں بھی معیشت پر سرکاری کنٹرول کم کرنے، اجارہ داریوں کو ختم کرنے، پیداواریت میں اضافے، ترقیاتی منصوبے کی عدم مرکزیت، تیل پر انحصار میں کمی، مالیاتی نظام میں بہتری اور سائنسی تحقیق میں اضافہ کو ہدف بنایا گیا۔ اس بل کے ''منفرد'' اور ''اختراعی'' پہلوؤں میں، جیسا کہ دعویٰ کیا گیا، چار مخصوص مقاصد سامنے رکھے گئے: ۱) عوام کے لیے خدمات میں بہتری، ۲) روزگار میں اضافے کے منصوبوں کے لیے خصوصی گنجائش، ۳) کم آمدن والے خاندانوں کے لیے سماجی تحفظ، اور ۴) توانائی کی کھپت کے سلسلے میں کارکردگی میں اضافہ۔ اس منصوبے کی لاگت ۸۰۴ ٹریلین ریال تھی (جو دوسرے منصوبے سے ڈھائی گنا زیادہ تھی)۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کی صورت میں سالانہ چھ فیصد شرح افزائش کا اندازہ لگایا گیا، جبکہ بے روزگاری کی شرح دس فیصد ہو جانے اور افراطِ زر ۱۶ فیصد سے کم ہو جانے کی پیش گوئی کی گئی۔ بالآخر اس بل کو پانچویں مجلس نے منظور کر لیا۔ ایک عہدیدار کے مطابق مجلس نے اس بل کے مفروضہ محاصل میں کمی، مالی ذمہ داریوں میں اضافے، اشیائے ضروریہ کی غیر حقیقی قیمتوں کے ذریعے اور سماجی تحفظ فنڈ کو اپنی تحویل

میں لے کراس بل کے ''داخلی ارتباط'' اور ''حقیقی سالمیت'' کو نقصان پہنچایا۔ اس طرح اس کے مطلوبہ اہداف حاصل کرنے کے امکانات کم ہو گئے۔

خاتمی نے ۰۱-۲۰۰۰ء کے لیے اپنا تیسرا بجٹ بروقت پیش کر دیا۔ اس بجٹ میں کئی ایسے پہلو تھے جو پانچویں مجلس کے ارکان کے لیے ناقابل قبول تھے۔ قدامت پسند اکثریت نے تیل کی قیمتوں میں پچیس فیصد اضافے کی تجویز مسترد کر دی جس سے خزانے کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ سرپرستوں کی کونسل (Council of Guardians) نے ''بنیادز'' [رفاہی فاؤنڈیشنوں] کے منافع جات پر مجوزہ ٹیکسوں کو بھی مسترد کر دیا۔ اس طرح تیل کے محاصل پر انحصار کو کم کرنے کے دعوؤں کے برعکس حکومت کا ان محاصل پر انحصار بڑھ گیا۔

خاتمی انتظامیہ کو اپنے اہداف اور مقاصد کے حصول میں کئی مسائل کا سامنا رہا۔ مثلاً غیر معیاری اور نظریاتی طور پر منقسم کابینہ، غیر معاون مجلس، ناقص معلومات رکھنے والی اور قدامت پسند سرپرستوں کی کونسل اور تیل کی مسلسل غیر مستحکم قیمتیں۔ اس کا نتیجہ شرح افزائش (growth-rate) میں کمی اور افراطِ زر میں اضافہ کی صورت میں نکلا۔

اقتصادی طور پر حقیقی سالانہ شرح افزائش جو ۹۷-۱۹۹۶ء میں ۵ء۵ فیصد تھی ۲۰۰۰ء-۱۹۹۷ء میں کم ہو کر ۲ فیصد رہ گئی۔ افراطِ زر کی شرح پہلے سال ۱۷ فیصد سے بڑھ کر تیسرے سال ۲۱ فیصد ہو گئی کیونکہ بجٹ کے بڑھتے ہوئے خسارے کو مرکزی بنک نے فنانس کیا۔ بے روزگاری کی شرح سرکاری اندازے کے مطابق ۱۹۹۷ء میں ۱۰ فیصد سے اوائل ۲۰۰۰ء میں ۱۶ فیصد ہو گئی۔ بے روزگار افراد میں ۱۵ فیصد سے زائد افراد کالج تک تعلیم یافتہ تھے، جبکہ غیر سرکاری ذرائع کے مطابق ممکن ہے یہ تعداد ۳۰ فیصد تک ہو۔ تیل کے علاوہ دیگر برآمدات تین بلین ڈالر سالانہ پر رکی ہوئی ہیں جو ۱۹۹۴ء سے ایک چوتھائی کم ہیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ کا بیلنس جو پہلے دو سالوں میں منفی حد تک چلا گیا تھا، تیسرے سال مارچ ۱۹۹۹ء میں تیل کی قیمتوں میں ۳ گنا اضافے کی وجہ سے کچھ مستحکم ہوا، تیل کی قیمتوں میں اضافہ سے جو ۶ء۲ بلین ڈالر اضافی حاصل ہوئے ان سے بیرونی قرضے پر سود کی مد میں سہولت ہوئی اور پانچ سالوں میں بیرونی قرضہ کم سے کم سطح تک پہنچا۔

مختصراً یہ کہ بدحال معیشت کی اصلاح کرنے اور سہارا دینے میں صدر خاتمی کی نااہلی ان کی کارکردگی کا سب سے مایوس کن پہلو ہے۔ تین سال کے عرصے میں ایران کے اقتصادی ڈھانچے کے مسائل کو نہ تو سنجیدگی سے سمجھا گیا ہے اور نہ ہی وہ حل ہوئے ہیں۔ اقتصادیات میں [غیر ضروری] حکومتی کردار اسی طرح مضبوط ہے جیسے پہلے تھا، خزانے کے محدود وسائل تیزی سے ختم ہو رہے ہیں، پرائیویٹ اجارہ داریاں پہلے کی طرح قائم ہیں۔ قومیائے گئے بنکاری کے شعبے کی کارکردگی انقلاب کے بعد سے کم از کم سطح پر پہنچ چکی ہے، جبکہ بازاروں میں اسی طرح بھاری سود پر نفع بخش کاروبار ہو رہے ہیں۔ پیداواری شعبوں اور اقدامات کے لیے ترغیبات منتشر، منتقم مزاج اور بدعنوان عدالتی نظام کی یرغمال بنی ہوئی ہیں۔ صرف تجارت (trade) اور مبادلہ (exchange) میں کسی حد تک آزادی اور جزوی اصلاح کی کوششیں بارآور ہوئی ہیں۔

## تبدیلی کی توقعات

تمام توقعات تیسرے ملک گیر انتخابات میں نئی چھٹی مجلس سے وابستہ کر لی گئیں جس میں صدارتی اصلاحات کے حمائتیوں کی واضح جیت کے امکان تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خاتمی کے وفاداروں اور پانچویں مجلس میں قدامت پسندوں کے درمیان کھنچاؤ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ خاتمی انتظامیہ کی طرف سے انتخابی قانون میں تبدیلی کی تجویز جس کا مقصد سرپرستوں کی کونسل کے لامحدود اختیارات میں کمی تھا نہ صرف دائیں بازو والوں کی اکثریت کے سبب ناکام ہوگئی بلکہ حقیقتاً کونسل کے صوابدیدی اختیارات میں اضافہ ہو گیا۔ نئے قانون کے مطابق مجلس کی رکنیت کے امیدوار کے لیے اسلام، آئین اور ولائت فقیہ سے غیر مشروط وابستگی (وفاداری) ایک ناگزیر اہلیت تھی۔ آزاد ووٹوں کی خاطر خواہ تعداد حاصل کرنے میں ناکام خاتمی کے مددگاروں کو اس وقت ایک اور شکست کا سامنا کرنا پڑا جب ان کے مخالفین اکثریت سے ووٹرز کے لیے عمر کی حد ۱۵ سے ۱۶ سال کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح خاتمی کے متوقع حمائتیوں کی تعداد ۵ .ملین کم ہوگئی۔

انتخابات کی قدامت پرست مخالف فضا میں ان [قدامت پرستوں] کے آخری لمحے میں کیے گئے اقدامات کا معکوس نتیجہ نکلا۔ فروری اور مئی میں ہونے والے انتخابات کے دو مرحلوں میں ۲۰۰ ڈپٹی منتخب

ہوئے، جن کی تصدیق سرپرستوں کی کونسل سے ابھی ہونی ہے۔ ان میں سے ۷۰ فیصد کی وابستگی خاتمی اور ان کے اتحادیوں کے ساتھ ہے۔ قدامت پسندوں کی تعداد ۴۵ ہے جبکہ ۵ کا تعلق مذہبی اقلیتوں سے ہے اور باقی سب آزاد امیدوار ہیں جو مخصوص مسائل پر کسی کو بھی ووٹ دے سکتے ہیں۔ قدامت پسندوں کی اس واضح ناکامی کے تین اسباب نمایاں ہیں۔ اولاً، پانچویں مجلس میں خاتمی کے مفاد پرست اور مایوس مخالفین نے بڑی آسانی سے ووٹرز کو سخت گیر عناصر کے خلاف کر دیا۔ دوم، انقلاب کے بعد سے اپنی کم ہوتی ہوئی مقبولیت سے بے خبر اور عوامی رائے پر اثر انداز ہونے کے لیے سرکاری ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اجارہ داری پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے ہوئے قدامت پرست مقتدرہ نے غلطی یہ کی کہ متحرک اور اصلاح پسند پریس کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کر دیا۔ پرنٹ میڈیا نے جرمانوں، سزاؤں اور پابندیوں کے باوجود اعلیٰ سرکاری حکام کی بدعنوانی، اقربا پروری، حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیوں جیسے جرائم کو بے نقاب کر کے اور حکومتی فاش غلطیوں کو سامنے لا کر عوام کی عدالت میں بڑھتی ہوئی سماجی طاقت حاصل کر لی اور سوم، وزیراعظم مصدق کے برعکس صدر خاتمی نے مجلس میں آزادی اور انصاف کی عوامی خواہشات کی بھرپور نمائندگی کے ذریعے عوامی ہمدردی اور مقبولیت حاصل کرنے کی دانش مندانہ حکمت عملی اختیار کی۔ اس کا نتیجہ ان کے چھوٹے بھائی کی قیادت میں ایک نئی جماعت آئی آئی پی ایف (Islamic Iran Participation Front) کے قیام کی صورت میں نکلا۔ اگرچہ اس جماعت کی ملک گیر سیاسی بنیاد نہ تھی مگر اس نے اصلاح پسندوں کی کامیابی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

## مستقبل کا منظر نامہ

ممکن ہے پارلیمانی انتخابات کے حالیہ دو دور ایران کی بعد از انقلاب تاریخ میں نہایت اہمیت اختیار کر جائیں۔ نئی مجلس میں اصلاح پسندوں کی اکثریت کی پشتی بانی اور آزاد پریس کے نوجوان رائے سازوں کی کثیر تعداد کی حمایت کی وجہ سے توقع کی جا سکتی ہے کہ صدر خاتمی اب اپنے موعودہ مقاصد کے حصول کے لیے زیادہ فیصلہ کن انداز میں کام کر سکیں گے۔ ابھی تک ان کے پاس یہ جواز ہے کہ سخت گیر عناصر نے ان کے اصلاحات کے پروگرام کا راستہ روکے رکھا ہے اور وہ گزشتہ تین برس سے کرسی صدارت پر ضرور متمکن رہے مگر ان کے پاس اختیارات نہیں تھے۔ تاہم اب یہ دلیل کمزور پڑ جائے گی۔

اصلاح پسند اتحادیوں کا سب سے فوری ایجنڈا سیاسی اور عدالتی قلب ماہیت ہوگا۔ مجلس نے شیڈول کے مطابق اجلاس کیے اور اصلاح پسند اتحادی مجلس کو اپنے حق میں کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ انتخابی قوانین میں تبدیلی کر کے امیدواروں کی مطلوبہ اہلیت کی شرائط کو کم کیا جائے، سیاسی جماعتوں کو قانونی جواز فراہم کیا جائے، پریس کو مزید آزاد کیا جائے اور پرامن حزب مخالف کو دبانے کے منفی طریقے اختیار کرنے میں کمی کر دی جائے۔ اقتصادی مسائل کی طرف بھرپور توجہ دینے سے پہلے عدالتی نظام کو سیاسی اثرات سے پاک کرنا، خصوصی عدالتوں کا ممکنہ خاتمہ، سماجی پابندیوں میں کمی اور سیٹلائٹ نشریات پر عائد پابندی کو ختم کرنا بھی اہم ہوگا۔

آئندہ چار سالوں میں چھٹی مجلس کی قانون سازی کے بارے میں ابھی سے کوئی پیش گوئی کرنا قبل از وقت ہوگا۔ قدامت پسند قوتیں، جبکہ طاقت کے سبھی محور ان کے پاس ہیں، یقیناً خاموش نہیں رہیں گی۔ سرپرستوں کی کونسل (Council of Guardians) جس کے پاس تمام قانون سازی پر ویٹو پاور موجود ہے اور حکمت کونسل (Expediency Council) جو فیصلہ سازی کی قوت رکھنے والا سب سے بڑا مگر غیر منتخبہ ادارہ ہے، کئی مخصوص معاملات کو (مثلاً رہبر کی ذمہ داریاں اور اختیارات وغیرہ) مجلس کے دائرہ عمل سے باہر قرار دے چکے ہیں۔ ایک اور میدان جہاں خود اصلاح پسند اتحادیوں کے مابین عدم اتفاق موجود ہے وہ اقتصادی اصلاحات کا میدان ہے جس میں ''بنیادز'' کی مکمل تنظیم نو کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ دائیں بازو کے روایت پسندوں (''بازار'' اور ''اسلامی کونسلوں کا اتحاد'') اور بائیں بازو کے جدت پسندوں (اسلامی انقلاب کے مجاہدوں) کے درمیان مبینہ طور پر ایک غیر متبرک اتحاد تشکیل پا رہا ہے۔ بائیں اور دائیں بازو والے صدر خاتمی کے اقتصادی مقاصد کے اصولوں اور تیسرے منصوبے کے بنیادی مقاصد اور طریقہ کار کے خلاف اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اسی طرح مختلف متنازعہ مسائل پر ایسے عارضی اتحاد تشکیل پا سکتے ہیں جو صدر خاتمی کی اقتصادی اصلاحات پر عمل درآمد میں رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اگر صدر خاتمی کے اتحادی ان کے ساتھ متحد اور مستحکم نہ رہے تو ممکن ہے کئی اہم اقتصادی مسائل پر نئی مجلس میں خاتمی کو پہلے کے مقابلے میں بھی زیادہ کڑے وقت کا سامنا کرنا پڑ جائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ شکست خوردہ قدامت پسندوں کی تشفی کے لیے کامیاب شدہ اصلاح پسند اس

حد تک جا چکے ہیں اور یہ زور دے رہے ہیں کہ انتخابی نتائج سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام اور انقلاب کو رد کر دیا گیا ہے یا مغربی طرز زندگی کو قبول کر لیا گیا ہے۔ تاہم وہ جغادری جو یہ کہتے ہیں کہ ۱۹۷۹ء کا انقلاب کوئی اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ انیسویں صدی کے اواخر میں جمہوری مزاج رکھنے والی ایک تحریک تھی، جس میں تعطل نہیں آیا، یقیناً ان انتخابات کے بارے میں ''خرداد'' کے ثنا خوانوں سے مختلف رائے رکھتے ہوں گے۔

کوئی بھی واقعہ ہو، چاہے کسی کو پسند ہو یا نہ ہو، ایران کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کچھ عرصہ کے لیے خاموشی چھا جائے۔ اسلامی حکومت جولائی ۱۹۹۹ء میں طلبہ کے مظاہروں کے بعد سے سخت مشکل حالات سے گزر رہی ہے۔ خاتمی کے مددگاروں اور سخت گیروں کی انتظامیہ کے مابین حصولِ اقتدار کی اس لڑائی میں مجلس کے انتخابات میں کامیاب ہونے والے ابھی تک یہ نہیں جانتے کہ وہ نئی حاصل شدہ طاقت کو عدالتی طور پر کیسے استعمال کریں۔ اسی طرح ہارنے والوں نے بھی ابھی تک باوقار طریقے سے اپنی شکست تسلیم کرنا نہیں سیکھا۔ جب تک نئی مجلس سیاسی اور سماجی تبدیلی کے مقبول مطالبوں اور قدامت پسندوں کی نظریاتی اور انقلابی روح کو قائم رکھنے کی خواہش میں ہم آہنگی یا مطابقت پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتی، ایک زیادہ سخت مذہبی ریاست کے نئی شکل میں ظہور یا تشدد، بدامنی اور انتشار پھیل جانے کے امکانات کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

[جہانگیر آموزگار ایران کے سابق وزیر خزانہ ہیں اور اقتصادی معاملات پر بین الاقوامی ماہر اور مشیر کی حیثیت سے واشنگٹن ڈی سی میں مقیم ہیں، آپ جان ہوپکنز یونیورسٹی سے بھی وابستہ رہے ہیں۔]